جنت میں حضرت مریمؑ سے رسول اللہ ﷺ کے نکاح کی تحقیق

مصنف

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی
(بانی و مہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور)

شعبۂ تحقیق واشاعت
Jamia Islamia Maseehul Uloom, Bangalore
K.S. Halli, Post Kannur Village, Bidara Halli Hobli, Baglur Main Road, Bangalore - 562149
H.O # 84, Armstrong Road, Mohalla Baidwadi, Bharthi Nagar, Bangalore - 560 001
Mobile : 9916510036 / 9036701512 / 9036708149

فہرست حضرت مریم علیہا السلام سے
رسول اللہ ﷺ کے نکاح کی تحقیق

باسمہ تعالیٰ

حضرت مریم علیہا السلام سے رسول اللہ ﷺ کے نکاح کی تحقیق

احوال واقعی

کچھ عرصہ قبل کسی نے مجھ سے سوال کیا کہ جنت میں رسول اللہ ﷺ کا نکاح کس سے ہوگا؟ اگر چہ میں اس قسم کے سوال و جواب میں وقت صرف کرنا اضاعتِ وقت کے مترادف سمجھتا ہوں، یا کم از کم ضروری کو چھوڑ کر غیر ضروری کام میں اشتغال خیال کرتا ہوں، اس لیے عام طور پر جب اس قسم کے سوالات کئے جاتے ہیں تو یہ عرض کر دیا کرتا ہوں کہ اس کے جواب پر نہ کوئی اعتقادی مسئلہ موقوف ہے نہ عملی مسئلہ، لہٰذا ضروری امور جن پر ایمان وعمل کی بنیاد ہے معلوم کرو، لیکن کبھی اپنے اس اصول میں تساہل برتتے ہوئے یا بعض عوارض کی بناء پر اس قسم کے سوالات کے جوابات بھی نوکِ قلم پر آ جاتے ہیں، چنانچہ اس موقع پر بھی اس سوال کا جواب نہایت ہی اختصار سے یہ دیا کہ ''حضرت مریم سے ہوگا''۔

یہ سوال و جواب ہفت روزہ اخبار ''عروج ہند، بنگلور'' کے کسی شمارہ میں شائع ہو چکے ہیں، اس وقت اس کو تلاش کرنے اور حوالہ دینے کی نہ ضرورت ہے نہ فرصت، اس کے بعد بعض لوگوں کے ایسے خطوط ملے جن میں عامیانہ وسوقیانہ شور وغوغے کے سوا کچھ نہ تھا، اور ان کے جوابات کی ضرورت بھی محسوس نہ ہوئی، البتہ بعض حضرات نے سنجیدگی سے جب اس پر دلیل کا مطالبہ کیا تو احقر نے مندرجہ ذیل جواب حوالہ قلم کیا جو ''عروج ہند'' کے ۱۴ر جنوری: ۱۹۸۷ء کے شمارہ میں شائع ہوا، جواب یہ تھا:

''میں نے جو بات لکھی تھی (یعنی حضرت مریم سے نکاح ہوگا) وہ حدیث سے

ثابت ہے اور علماء تفسیر نے اپنی تفسیر میں اس کو نقل کیا ہے، چنانچہ (روح المعانی: ۱۶۵/۲۸) میں ہے کہ طبرانی نے سعد بن جنادۃ سے یہ روایت تخریج کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے جنت میں مریم بنت عمران اور فرعون کی بیوی اور موسی کی بہن کو میری زوجہ بنایا ہے، اور (تفسیر قرطبی: ۲۰۴/۱۸) میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے یہ روایت مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ کو نزع کے وقت فرمایا کہ کیا تم اس چیز کو مکروہ خیال کرتی ہو، حالانکہ اللہ تعالی نے ناپسندیدہ چیز میں خیر رکھی ہے، پس جب تم اپنے سوکنوں کے ہاں جاؤ تو میرا اسلام سنادینا، یعنی مریم، آسیہ، حکیمہ یا کلیمہ ۔اس میں سوکن قرار دینا ان عورتوں کو کیا معنی رکھتا ہے، یہ تو ظاہر ہے، پس معلوم ہوا کہ ہم نے جو لکھا تھا وہ غلط نہ تھا، ہاں مختصر تھا۔‘‘(۱)

ہمارے اس جواب پر لاہور (پاکستان) سے شائع ہونے والے ’’ماہنامہ محدث‘‘ کے محرم الحرام ۱۴۰۸ھ مطابق ستمبر ۱۹۸۷عیسوی کے شمارہ میں جناب غازی عزیز صاحب کی تنقید شائع ہوئی ہے، زیرِ نظر مضمون میں اسی تنقید کا تحقیقی جائزہ لینا مقصود ہے۔

معترض جناب غازی عزیز صاحب کی تنقید کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے حضرت مریم سے نکاح کے سلسلہ میں جو روایات وارد ہوئی ہیں، وہ سب نا قابلِ احتجاج اور ان کے راوی غیر معتبر وضعیف بلکہ کذاب ہیں، لہذا ان سے احتجاج درست نہیں، نیز یہ کہ حضرت رسول اکرم ﷺ کے بعض صحیح ارشادات اس کے خلاف ہیں، اس لئے صحیح کے مقابلہ میں ضعیف روایات کو حجت نہیں بنایا جاسکتا۔

مگر ہمارے نزدیک معترض کی یہ دونوں باتیں صحیح نہیں ہیں ؛ کیونکہ ان

(۱) ہفت روزہ عروج ہند، شمارہ: ۴/جنوری: ۱۹۸۷ء

روایات میں بعض روایات درجۂ حسن کو پہنچی ہوئی ہیں اور بعض اگر چہ ضعیف ہیں، مگر یہ ضعیف روایات بھی حسن کی تائید کرتی اور ان کو تقویت دیتی ہیں، یا کم از کم سب ضعیف روایات مل کر تو حسن کے درجہ کو ضرور پہنچ جاتی ہیں۔

رہی دوسری بات کہ صحیح حدیثیں اس کے خلاف ہیں، یہ دراصل معترض کی کم فہمی کے نتیجہ میں ظاہر ہوئی ہے، ورنہ وہی روایات جن کو معترض نے اپنے دعوی کی دلیل میں پیش کیا ہے، ہمارے دعوی کی تائید کرتی ہوئی نظر آتی ہیں، جیسا کہ آگے چل کر واضح ہوگا۔

اب ہم اولاً اس سلسلہ کی روایات پر بحث کرتے ہیں، تا کہ مسئلہ پوری طرح واضح ہو جائے اور شک وریب سے نجات حاصل ہو۔

پہلی روایت

"عن أبي أمامةؓ قال سمعت النبيا يقول لعائشة : أشعرتِ أن اللّٰه قد زوَّجني في الجنة مريمَ بنتَ عمرانَ وكُلثمَ أخت موسى وامرأة فرعون۔"(۱)

(حضرت ابوامامہؓ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ حضرت عائشہ سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اے عائشہ! کیا تجھے معلوم ہے کہ اللہ تعالی نے جنت میں مریم بنت عمران اور موسی کی بہن کلثوم اور فرعون کی عورت کو میری زوجہ بنادیا ہے)

اس روایت کو معترض نے ضعیف قرار دیتے ہوئے علامہ ہیثمی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "اسکی اسناد میں خالد بن یوسف السمتی ہے جو کہ ضعیف ہے" پھر علامہ ذہبی سے بھی انکی تضعیف نقل کی ہے۔

(۱) رواہ الطبرانی: ۸/۲۵۸، مجمع الزوائد: ۹/۲۱۸

مگر ہمیں نہایت ہی تعجب ہے معترض کے اس صنیع پر کہ دعویٰ تحقیق کے ساتھ اس قدر جمود ہے کہ اس تحقیق کی اصلاً ضرورت نہیں سمجھی کہ خالد کے بارے میں اور کتابوں میں کیا لکھا ہے اور دیگر محدثین کی کیا رائے ہے؟ حالانکہ اہل علم پر یہ بات روشن ہے کہ رواۃ کی تضعیف وتوثیق ایک اجتہادی امر ہے، جس میں ہر مجتہد وہ کہتا ہے جس کی طرف اس کا اجتہاد اسے پہنچاتا ہے، اس میں ممکن ہے کہ ایک کے اجتہاد میں ایک راوی ضعیف ہو اور وہی راوی دوسرے کے اجتہاد میں ضعیف نہ ہو بلکہ قوی ومعتبر ہو، ایسے موقعہ پر کسی راوی کے بارے میں صرف اس پر کی گئی جروحات کا ذکر کرنا اور اسکی توثیق کو ترک کر دینا بڑا سخت عیب ہے، چنانچہ ذہبیؒ نے ابان بن یزید کے ترجمہ میں علامہ ابن الجوزی پر رد کرتے ہوئے لکھا ہے:

"لم يذكر فيه أقوال من وثّقهُ، وهذا من عيوب كتابه يسرد الجرح ويسكت عن التوثيق۔"(۱)

(ابن الجوزی نے ان ابان بن یزید کے بارے میں ان لوگوں کے اقوال ذکر نہیں کئے جنھوں نے ان کی توثیق کی ہے اور یہ ان کی کتاب کے عیوب میں سے ہے کہ جرح نقل کر دیتے ہیں اور توثیق سے سکوت اختیار کر لیتے ہیں)

خالد بن یوسف پر محدثانہ کلام

ہمارے معترض جناب غازی عزیز نے بھی یہی کیا ہے، حالانکہ خالد بن یوسف السمتی کی بعض ائمہ جرح وتعدیل نے توثیق کی ہے، علامہ عبدالحی لکھنویؒ فرماتے ہیں: "قال أبو حاتم يعتبر بحديثه من غير روايته عن أبيه۔ (ابوحاتم نے فرمایا کہ ان (خالد بن یوسف السمتی) کی وہ حدیث معتبر ہے جو ان کے والد کی روایت سے نہ ہو)۔(۲)

---

(۱) میزان الاعتدال: ۱/۱۶ (۲) الفوائد البہیۃ: ۹۵

ابوحاتم کے اس قول کو صاحبِ حدائق حنفیہ نے بھی ص (۱۵۴) میں نقل کیا ہے، اسی طرح امام حدیث ابن حبان نے اپنی کتاب "الثقات "میں ان کا ذکر کیا ہے اور وہی بات فرمائی ہے جو ابوحاتم نے کہی ہے۔(۱)

اور حافظ ابن حجر نے ''لسان المیزان'' میں ابن حبان کا یہ قول نقل کر کے اس پر سکوت کیا ہے۔(۲)

اس سے ابن حجر کا ابن حبان کے قول سے موافقت کرنا ظاہر ہوتا ہے۔

اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں: ایک تو یہ کہ خود خالد بن یوسف سمتی ابوحاتم اور ابن حبان کے نزدیک ضعیف نہیں، بلکہ قوی ومعتبر ہیں، دوسرے یہ کہ ان کی وہی حدیث غیر معتبر ہے جو ان کے والد سے وہ روایت کریں، ایسا ہوتا ہے کہ ایک راوی کسی شیخ کے حق میں متقن ومعتبر ہو اور دوسرے کے حق میں غیر معتبر ہو، اور ایسے راوی خود بخاری کے رواۃ میں بھی ہیں، چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے ''ہدی الساری'' میں محمد بن خازم ابومعاویہ الضریر کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ:

''ابن خراش نے یہ بات زیادہ بیان کی ہے کہ ان (محمد بن خازم) کی وہ حدیث جو اعمشؒ سے نہ ہو، اس میں اضطراب ہوتا ہے، اسی طرح امام احمد اور دوسروں نے بھی کہا ہے، اور امام احمد نے یہ بھی کہا ہے کہ ان کی ان احادیث میں جو ہشام بن عروہ سے ہوں، اضطراب ہے، ابن حجر کہتے ہیں کہ امام بخاری نے ان کو صرف اعمشؒ (کی روایات) میں حجت بنایا ہے۔الخ (۳)

اور ابن حجرؒ ہی ''محمد بن جعفر غندر'' کے ترجمہ میں یہ نقل کرنے کے بعد کہ ابوحاتم نے کہا کہ ''انکی وہ حدیث جو شعبہ کے علاوہ دوسرے لوگوں سے ہو، لکھ لی جائیگی مگر

(۱) الثقات: ۲۲۶/۸ (۲) دیکھو لسان المیزان: ۴۸۰/۲ (۳) ہدی الساری: ۴۳۸

اس سے احتجاج نہیں کیا جا سکتا'' آگے فرماتے ہیں:

''میں کہتا ہوں کہ امام بخاری نے ان کی ان احادیث کی زیادہ تخریج کی ہے، جو شعبہ سے ہیں''۔(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ ایک راوی بعض شیوخ کے حق میں معتبر و حجت اور دوسرے کے حق میں غیر معتبر ہو سکتا ہے، لہٰذا ایسی صورت میں جیسا کہ محدثین کا قاعدہ ہے کہ اسکی وہ روایت جو ایسے شیخ سے ہو جس کے حق میں وہ معتبر ہے، معتبر مانی جائے گی۔

حافظ ابن حجرؒ ''ہدی الساری'' میں یہ بیان کرتے ہوئے کہ بخاری کے رواۃ میں بعض ایسے بھی ہیں جن کو ایسے امر کی وجہ سے ضعیف کہا گیا جو نا قابل قبول ہے (لہٰذا ان کو ضعیف کہنا بھی درست نہیں) اسی قسم میں ان راویوں کو بھی داخل کیا ہے جن کی بعض شیوخ کے حق میں تضعیف کی گئی ہے۔

ولفظه : ويلتحق به (أي بهذا القسم) من تُكُلِّم فيه بامر لا يقدح في جميع أحاديثه ، كمن ضعف في بعض شيوخه۔ الخ(۲)

پھر یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ یہ امام جرح وتعدیل ابو حاتم ان لوگوں میں سے شمار ہوتے ہیں جو جرح کے معاملہ میں تشدد پسند واقع ہوئے ہیں کہ معمولی بات بھی ان کے نزدیک کسی شخصیت کے مجروح ہونے کے لیے کافی ہوتی ہے، حافظ ابن حجرؒ نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ ابو حاتم میں تعنت ہے۔(۳)

اور علماء جرح وتعدیل میں سے جو متعنت ومتشدد ہوں ان کے بارے میں علامہ سخاویؒ نے علامہ ذہبی کے حوالہ سے لکھا ہے:

" فهذا إذ وثّق شخصاً فعضّ على قوله بالنواجز وتمسك بتوثقه.

(یعنی ایسا (متعنت) کسی شخص کی توثیق کرے تو اس کو دانتوں سے مضبوط پکڑ لو اور اسکی توثیق کو اچھی طرح تھام لو)(۴)

---

(۱) ہدی الساری: ۴۳۷-۴۳۸ (۲) ہدی الساری: ۴۶۰ (۳) ہدی الساری: ۴۴۱ (۴) فتح المغیث: ۴۸۲

یہی ابو حاتم ہیں جنہوں نے امام بخاری سے روایت کرنا چھوڑ دیا تھا۔ (دیکھو میزان الاعتدال للذہبی: ۱۳۸/۳) اور ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میرے باپ ابو حاتم اور ابوزرعہ رازی نے امام بخاری سے حدیث سنی پھر (ایک مسئلہ کی وجہ سے) ان کی حدیث ترک کردی (الجرح والتعدیل: ۱۹۱/۲) ایسے متشدد امام نے جب خالد بن یوسف السمتی کی ان احادیث کو جوان کے والد سے نہ ہوں معتبر قرار دیا ہے تو غور کیا جاسکتا ہے کہ اسکا کیا وزن ہے؟

پھر یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ خالد پر جن لوگوں نے کلام کیا ہے اور ان کی تضعیف کی ہے وہ مبہم ہے، نہ کہ مفسر، ذہبیؒ نے میزان میں صرف یہ کہا کہ ان کے والد ہالک ہیں اور وہ خود (خالد) ضعیف ہے۔ (۱)

اس کے بعد ابن عدی کے حوالہ سے ان کی ایک منکر روایت نقل کی ہے، مگر ظاہر ہے کہ ان کی روایات میں منکر روایات کا ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ ضعیف ہیں، علامہ عبدالحی لکھنویؒ نے اپنی کتاب ''الرفع والتکمیل'' میں نقل کیا ہے کہ:

''حاکم نے کہا کہ میں نے دارقطنیؒ سے عرض کیا کہ سلیمان بن شرحبیل کیسے ہیں؟ دارقطنی نے کہا کہ ثقہ ہیں، حاکم کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ کیا ان کے پاس منکر روایات نہیں ہیں؟ دارقطنی نے جواب دیا کہ وہ ان منکر روایات کو ضعیف لوگوں سے روایت کرتے ہیں، لیکن وہ خود ثقہ ہیں۔ (۲)

بہر حال خالد پر جرح مبہم ہے، اسکے مقابلہ میں ابو حاتم کی توثیق ہی قابل اعتبار ہوسکتی ہے؛ کیونکہ اگر جرح وتعدیل دونوں مبہم ہوں تو تعدیل ہی کو ترجیح ہوتی ہے، جیسا کہ علامہ سیوطیؒ نے (تدریب الراوی: ۲۰۴) میں تصریح کی ہے اور علامہ عبدالحی لکھنوی نے ''الرفع والتکمیل'' میں اس پر سیر حاصل بحث کرکے یہی کہا ہے۔

---

(۱) میزان: ۲۷۰/۱ (۲) الرفع والتکمیل: ۱۴۴

(دیکھوالرفع والتکمیل: ۹۹)اسی طرح علامہ عراقی نے بھی جمہور ائمہ فن کا قول یہی نقل کیا ہے کہ جرح مبہم نا قابل قبول ہے اور تعدیل مبہم مقبول ہے۔(۱)

بلکہ اگر نظر غائر سے دیکھا جائے تو ابو حاتم کی توثیق مبہم نہیں مفسر معلوم ہوتی ہے، اس لیے کہ انہوں نے خالد کی توثیق اس طرح کی ہے کہ ان کے والد سے ان کی روایات کو غیر معتبر قرار دیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خالد پر کی گئی جروحات سے بخوبی واقف ہیں، پھر بھی ان جروحات کا اعتبار ان کے نزدیک صرف ان روایات کی حد تک محدود ہے جو وہ اپنے والد سے نقل کریں، یہ ایسا ہی ہے جیسے علامہ زرکشی نے" النکت علی ابن الصلاح"، میں اور سیوطیؒ نے "تدریب الراوی" میں کہا ہے۔

علامہ زرکشی نے کہا کہ:

الثالث:إن تقديم الجارح مشروط عند الفقهاء بأن يطلق القول فإن قال المعدل : عرفت السبب الذى ذكره الجارح ،ولكنه تاب وحسنت حاله فإنه يقدم المعدل.(۲)

(تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ جارح کا مقدم ہونا فقہاء کے نزدیک اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ (تعدیل) مطلق بیان کی گئی ہو، اور اگر تعدیل وتوثیق کرنے والا یوں کہے کہ جارح نے جو جرح کا سبب بیان کیا ہے وہ میں جانتا ہوں، لیکن اس مجروح نے اس سے توبہ کر لی اور اسکا حال درست ہوگیا تو تعدیل کرنے والے کی بات مقدم ہوگی)

علامہ سیوطی کہتے ہیں:

"اگر تعدیل مفسر ہو بایں طور کہ تعدیل کرنے والا یوں کہے کہ میں اس راوی

(۱)الفیۃ العراقی:۴۵(۲)النکت علی ابن الصلاح:۳/۳۵۹

پر کی گئی جرح کو جانتا ہوں مگر وہ صحیح نہیں، تو تب بھی تعدیل ہی مقدم ہوگی۔ (۱)

اور اگر اسکو مفسر نہ بھی مانا جائے تب بھی ظاہر ہے کہ تعدیل ہی مقدم ہوگی اور ایسے راوی کی حدیث کم از کم حسن ہوگی، جیسا کہ اسکی تفصیل آگے آرہی ہے۔

پھر انہی خالد بن یوسف السمتی کو ہم دیکھتے ہیں کہ ابن حبانؒ نے ''کتاب الثقات'' میں ذکر کیا ہے، اور یہ بات ہم پہلے نقل کر چکے ہیں کہ ابن حبان نے بھی ان کی ان روایات کو معتبر قرار دیا ہے جو ان کے والد سے نہ ہوں، اور ابن حبان بھی متعنت سمجھے جاتے ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ ابن حبان نے افراط یعنی زیادتی کی ہے (یعنی جرح کرنے میں) (ہدی الساری: ۴۰۴) اور علامہ ذہبیؒ نے بھی ایک سے زیادہ جگہ اسکی تصریح کی ہے، ابن حبان متہور (انتہا پسند) اور جرح کرنے میں مفرط ہیں۔ (دیکھو میزان: ۸/۴ و ۲۵۳/۲) اور مراجع ومصادر سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

بہر حال ابو حاتم کے ساتھ ابن حبان نے بھی وہی بات کہہ دی جس کا ذکر اوپر سے چلا آرہا ہے، ابن حبان اگر متعنت نہ بھی ہوں جیسا کہ مشہور ہے کہ وہ متساہل ہیں، تب بھی ابو حاتم کے ان کے ساتھ ہونے کی وجہ سے ان کی توثیق میں ضرور وزن پیدا ہو جاتا ہے، اور خود ابن حبان نے (کتاب الثقات: ۲/۴) کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ ''ہر وہ شخص جس کو میں اس کتاب میں ذکر کروں وہ صدوق ہے، اس سے احتجاج کرنا (یعنی حجت پکڑنا) جائز ہے، یہ قاعدہ اگر کلی نہ بھی ہو تب بھی خالد بن یوسف کے بارے میں صحیح ہے، کیونکہ ابو حاتم جیسے متشدد اس موقعہ پر ابن حبان کے ساتھ ہیں، اور علامہ عبد القادر القرشی نے خالد بن یوسف کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے، ''الامام بن الامام'' کہ امام ہیں امام کے بیٹے ہیں۔ (۲)

(۱) تدریب الراوی: ۲۰۵ (۲) الجواہر المضیئۃ: ۲۳۰/۱

اور ظاہر ہے کہ لفظ ''امام'' الفاظ توثیق میں سے ہے، بلکہ علامہ سخاوی وعلامہ سندھی کے بیان کے مطابق اعلی الفاظ توثیق میں سے ہے، جیسا کہ علامہ عبد الحیؒ لکھنوی نے (الرفع و التکمیل : ۱۲۱) میں نقل کیا ہے، علامہ قرشیؒ نے یہ الفاظ جو ان کے حق میں استعمال کئے ہیں، یہ کس بات کی غمازی کرتے ہیں؟ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ علماء کے مابین خالد بن یوسف سمتی قابل قدر ہیں اور اس لائق کہ ان کو الامام کے لقب سے یاد کیا جائے؟ پھر ابو حاتم اور ابن حبان کی توثیق کے بعد ان الفاظ میں کم از کم مجھے تو کوئی مبالغہ نظر نہیں آتا۔

زیادہ سے زیادہ جو بات ان کے حق میں کہی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ مختلف فیہ راوی ہیں کہ بعض کے نزدیک یہ ضعیف ہیں اور بعض کے نزدیک قوی وثقہ ہیں، اور پہلے بھی اشارہ کر چکا ہوں کہ ایسا راوی کم از کم حسن الحدیث ہوتا ہے۔

علامہ منذریؒ اپنی مشہور کتاب ''الترغیب والترہیب'' کے مقدمہ میں فرماتے ہیں کہ ''حدیث کی سند کے راوی ثقہ ہوں اور ان میں کوئی ایسا بھی ہو جس کے بارے میں اختلاف ہو، تو اسکی سند حسن یا مستقیم یا لا باس بہ ہے''۔(۱)

اور حافظ ابن حجرؒ "تهذيب التهذيب" میں عبداللہ بن صالح کے ترجمہ میں فرماتے ہیں ''ابن القطان نے کہا کہ یہ صدوق ہیں، اور ان کے بارے میں کوئی ایسی بات ثابت نہیں جو ان کی حدیث کو ساقط کردے، مگر یہ کہ یہ مختلف فیہ ہیں، پس ان کی حدیث حسن ہے''۔(۲)

اسی طرح جو حافظ سیوطی کی " التعقبات على الموضوعات" دیکھے گا، اس پر بھی یہ بات واضح ہوجائے گی کہ سیوطی نے مختلف فیہ راوی کو جبکہ اس کو متہم بالکذب نہ کیا گیا ہو، حسن الحدیث قرار دیا ہے، اسی طرح حافظ سیوطی نے "اللآلی

(۱) الترغیب والترہیب: ۴/۱ (۲) تہذیب التہذیب: ۲۶۰/۵

المصنوعة‘‘اوراس کے ذیل میں بھی کئی جگہ ایسا ہی کہا ہے۔

اب رہی یہ بات کہ خالد بن یوسف کی یہ روایت جس پر بحث ہورہی ہے،ان کے والد سے ہے یا نہیں؟اس سلسلہ میں عرض ہے کہ حافظ ہیثمیؒ نے (مجمع الزوائد: ۲۱۸/۹) میں اس روایت کوطبرانی کے حوالہ سے نقل کرنے کے بعداس کے رواۃ میں سے خالد پر کلام کیا ہے،اگر یہ روایت ان کے والد سے ہوتی تو ضرور وہ ان پر کلام کرتے؛ کیونکہ خالد کے والد یوسف بن خالد السمتی پر جو جرح کی گئی ہے وہ زیادہ سخت ہے حتی کہ ان کو کذاب تک کہا گیا ہے،جیسا کہ (میزان:۶۲۰/۲) میں ذہبی نے اور (تہذیب التہذیب:۶۹/۱۱) میں ابن حجر نے نقل کیا ہے۔

اگر چہ اس میں بھی بہت بڑا مبالغہ ہے؛ کیونکہ امام طحاویؒ نے مزی کے واسطہ سے سیدنا امام شافعی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ یوسف بن خالد السمتی نیک لوگوں میں سے تھے۔(الجواہر المضیئۃ:۲۲۷/۲) کیا امام شافعیؒ جیسے بلند پایہ امام کی یہ توثیق بے وزن ہے؟اسکا کوئی اثر نہیں؟اس لیے یوسف بن خالد کو کذاب بمعنی جھوٹ بولنے والا قرار دینا مبالغہ سے خالی نہیں،الا یہ کہ یوں کہا جائے کہ ان عبارات میں کذاب بمعنی خاطی ہے،جیسا کہ یہ استعمال شائع ہے،البتہ یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ ذہبی نے (میزان الاعتدال:۶۲۰/۲) میں امام طحاوی ہی سے امام شافعی کا قول یوسف بن خالد کے بارے میں ضعیف ہونے کا نقل کیا ہے،پھر دونوں میں تطبیق کس طرح ہوگی؟

میں کہتا ہوں کہ کسی راوی کے بارے ایک ہی امام کے اقوال مختلف ہوں تو بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر یہ معلوم ہوجائے کہ کونسا قول آخری ہے تب تو اسی کے مطابق عمل کریں گے،ورنہ اس راوی کے بارے میں توقف کرنا چاہئے،جیسا کہ علامہ زرکشی نے’’النکت علی ابن الصلاح‘‘ میں بیان کیا ہے۔(۱)

(۱)النکت علی ابن الصلاح:۳۶۱/۳

لیکن حضرت علامہ ظفر احمد عثمانیؒ تھانویؒ نے حافظ ابن حجرؒ کے طرز سے یہ مستنبط فرمایا ہے کہ اگر کسی راوی کے بارے میں ایک ہی امام کے اقوال مختلف ہوں تو تعدیل ہی کو ترجیح ہوگی۔ (۱)

چنانچہ حافظ ابن حجر نے مقدمہ ''فتح الباری'' میں ''ھدبۃ بن خالد البصری'' کے ذکر میں کہا ہے کہ: میں نے حافظ ذہبی کے ہاتھ سے لکھا ہوا دیکھا کہ نسائی نے ایک بار ان کو ضعیف کہا اور کبھی ان کو قوی قرار دیا ہے، ابن حجر کہتے ہیں کہ شاید امام نسائی نے کسی خاص بات میں انکو ضعیف کہا ہوگا۔ (۲)

دیکھئے حافظ نے ہدبۃ کے بارے میں امام نسائی کی توثیق کو قبول کرلیا اور تضعیف کو ترجیح نہیں دی، بہر حال یوسف بن خالد السمتی بھی اس درجہ ضعیف نہیں ہیں جیسے ان کو سمجھ لیا گیا ہے، لیکن بہر حال اپنے بیٹے خالد سے تو ضعیف ہیں، پھر ہیثمی ان پر کلام کے بجائے خالد پر کلام پر کیوں اکتفاء کرتے؟ اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت خالد کی ان کے والد کے طریق سے نہیں ہے، اس لیے خالد کی روایت درجہ حسن کو ضرور پہنچ جاتی ہے۔ (واللہ اعلم)

جب میں نے یہ لکھا تھا تو میرے سامنے اس حدیث کی پوری سند نہیں تھی، اس لیے حافظ ہیثمی کے طرزِ عمل سے میں نے یہ سمجھا کہ اس کے راویوں میں خالد سے زیادہ کوئی متکلم فیہ راوی اس میں نہیں ہے، لیکن بعد میں نظر ثانی کے وقت الحمد للہ معجم کبیر طبرانی دیکھنے کی سعادت ملی، اس میں یہ حدیث خالد بن یوسف نے عبد النور بن عبداللہ سے روایت کی ہے۔ (۳)

اور یہ بعینہ وہی حدیث ہے جس کو معترض نے چوتھے نمبر پر ابوالشیخ کے حوالے سے پیش کیا ہے، لہٰذا یہ اور وہ دونوں ایک ہی حدیث ہے، صرف طریقِ روایت کا

(۱) مقدمہ اعلاء السنن: ۲۶۴/۱ (۲) ہدی الساری: ۴۴۷ (۳) دیکھو معجم الکبیر: ۲۵۸/۸

فرق ہے، یہ حدیث خالد بن یوسف نے عبدالنور بن عبداللہ سے روایت کی ہے اور ابو الشیخ کی حدیث بطریق ابراہیم بن محمد بن عرعرہ عن عبدالنور آئی ہے۔

اسی سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوگئی کہ اس حدیث کے عبدالنور سے روایت کرنے میں خالد بن یوسف السمتی متفرد نہیں ہیں بلکہ اس میں ان کی متابعت ابراہیم بن محمد نے کی ہے، اس طرح یہ دو طریقوں سے روایت ہونے کی بنا پر خالد بن یوسف کی روایت کو تقویت دیتی ہے۔

راوی عبدالنور کا حال

راوی عبدالنور کے بارے میں علماء نے کلام کیا ہے، اور سخت کلام کیا ہے، عقیلی نے فرمایا کہ رفض وشیعیت میں غلو کرتا تھا اور حدیث وضع کرتا تھا اور کہا کہ خبیث تھا۔(۱)

اور امام ذہبی نے لکھا ہے کہ یہ کذاب ہے اور عقیلی کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ رفض میں غلو کرتا تھا اور اس نے شعبہ پر حدیث گھڑی ہے۔(۲)

اور ذہبی ہی نے ''المغنی'' میں لکھا کہ رافضی کذاب ہے۔(المغنی:۴۰۹/۲) نیز اس کے بارے میں ابوالوفاء طرابلسی نے بھی یہی رائے پیش کی ہے۔(۳)

لیکن امام ابن حبان کی رائے اس کے بارے میں یہ ہے کہ یہ ثقہ ہے، چنانچہ انہوں نے اس کا ذکر اپنی کتاب (الثقات : ۴۲۳/۸) میں کیا ہے۔ابن حجر نے ''لسان المیزان'' میں کہا کہ ہوسکتا ہے کہ ابن حبان اس کی شعبہ سے گھڑی ہوئی حدیث پر مطلع نہ ہوئے ہوں۔(۴)

اس تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ عبدالنور راوی انتہائی ضعیف ہے، البتہ اس کا کذاب یا وضاع ہونا ابن حجر کے نزدیک محل کلام ہے؛ کیونکہ ذہبی نے اس پر عقیلی

(۱)ضعفاء العقیلی:۱۱۴/۳ (۲)میزان الاعتدال:۴۲۲/۴ (۳)الکشف الحثیث:۱۷۴/۱
(۴)لسان المیزان:۷۷/۴

کے کلام سے استدلال کیا ہے، مگران کا کلام اس پر دلالت نہیں کرتا؛ کیونکہ انہوں نے اس راوی کے بارے میں صرف یہ لکھا ہے کہ " لا يقيم الحديث وليس من أهله"(کہ یہ حدیث کو صحیح طریقے پر بیان نہیں کرتا اور یہ حدیث کے ماہرین میں سے نہیں ہے)۔(۱)

میں کہتا ہوں کہ ابن حبان کا اس کو ثقات میں ذکر کرنا بھی اس پر کی گئی جرحوں میں تخفیف پیدا کر دیتا ہے۔

الغرض یہ حدیث حسن نہیں ،جیسا کہ میں نے پہلے لکھا تھا بلکہ ضعیف ہے ،مگر آگے آنے والی روایات اس کی تقویت کے لیے مفید ہیں۔

دوسری روایت

﴿ عن سعد بن جنادة قال: قال رسول الله ﷺ إنّ الله عزَّ وجلَّ قد زوَّجني في الجنة مريمَ بنتَ عمرانَ وامرأةَ فرعونَ وأُختَ موسٰى ﴾.(۲)

(حضرت سعد بن جنادۃ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے جنت میں مریم بنت عمران اور فرعون کی بیوی اور حضرت موسی علیہ السلام کی بہن کو میری زوجہ بنایا ہے)

علامہ ہیثمی ''مجمع الزوائد'' میں اس روایت کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں ایسے راوی ہیں جن کو میں نہیں جانتا(۳)

اور علامہ سیوطی نے اس کو نقل کر کے اس کے ضعیف ہونے کا نشان بنایا ہے۔(۴)

مگر چونکہ علامہ سیوطی نے ''جامع صغیر'' میں یہ التزام کیا ہے کہ اس میں کسی کذاب ووضاع کی روایت نہیں نقل کریں گے، جیسا کہ خود ''جامع صغیر'' کے مقدمہ میں فرمایا: " وصنتُه عمّا تفرّد به وضّاع أو كذّاب "(۵)

(۱) لسان المیزان:۴/۷۷ (۲) رواہ الطبرانی:۶/۵۲،تاریخ دمشق لابن عساکر:۷۰/۱۱۸

(۳) مجمع الزوائد:۹/۲۱۸ (۴) الجامع الصغیر:۵۹ (۵) جامع صغیر:۱

(یعنی میں نے اس کتاب کو ان روایتوں سے محفوظ رکھا ہے، جن کو صرف وضاع وکذاب نے روایت کیا ہے)

اس لیے یہ روایت کذب اور وضع راوی کی وجہ سے نہیں، بلکہ جہالت یا سوئے حافظہ وغیرہ کی وجہ سے ضعیف ہوگی، اور ایسی ضعیف تائید وتقویت کے لیے کھپ سکتی ہے جیسا کہ علماء اصول نے بیان کیا ہے، پس یہ روایت پہلی روایت کے ثابت ہونے پر شاہد ہے اور دونوں روایتوں کے ملنے سے ایک دوسرے کو تقویت پہنچتی ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا حضرت مریم بلکہ حضرت آسیہ اور حضرت موسی کی بہن سے نکاح ہونا بے اصل اور غلط نہیں، بلکہ ایک ثابت شدہ امر ہے۔

تیسری روایت

﴿ عن ابی رُوادٍ رضی اللہ عنہ قال: دخل رسول اللّٰہ ﷺ علی خدیجة رضی اللہ عنہا فی مرضها الذی تُوفِّيَتْ فيه ، فقال لها .... أما علمتِ أن اللّٰه عزّ وجلّ زوّجني معكِ في الجنّة مريم بنت عمران وامرأة فرعون وكلثم أخت موسى ﴾.(۱)

(ابو رواد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت خدیجہ کے پاس ان کے مرض الموت میں تشریف لائے اور فرمایا: کیا تو نہیں جانتی کہ اللہ تعالی نے جنت میں تیرے ساتھ مریم بنت عمران، فرعون کی عورت اور حضرت موسی کی بہن کلثوم کو میری زوجہ بنا دیا ہے)

علامہ ہیثمی نے اس روایت کو منقطع الاسناد اور محمد بن حسن بن زبالہ کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے، میں کہتا ہوں کہ تائید واعتبار کے لیے قبول کی جا سکتی ہے، محمد بن

(۱) معجم الکبیر: ۲۲/۴۵۱، تاریخ دمشق لابن عاکر: ۷۰/۱۱۹، مجمع الزوائد: ۹/۲۱۸

حسن بن زبالہ سے ابوداؤد نے جو کہ اصحاب صحاح میں سے ہیں روایت کیا ہے۔ (۱) پس یہ روایت بھی پہلی دو روایتوں کے ثبوت پر شاہد ہے، ہمارے معترض نے بھی ان ہی محمد بن حسن کی ایک روایت کو اعتبار کے لیے پیش کیا ہے۔ (۲)

قلتُ: اس حدیث کی ایک شاہد بھی موجود ہے، ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں اسی حدیث کو اپنی سند سے عن عکرمہ عن ابن عباس روایت کیا ہے۔ (۳) اور ابن عساکر کے حوالے سے اس کو ابن کثیر نے اپنی تاریخ ''البدایہ والنہایہ'' میں بھی ذکر کیا ہے۔ (۴) اس شاہد کی روشنی میں اوپر کی حدیث کا ضعف ختم ہو جاتا ہے۔

چوتھی حدیث

﴿عن أبي أمامةؓ قال :قال رسول الله ﷺيا عائشة ! أما تعلمين أن اللّٰه تعالى عزّوجلّ زوّجني في الجنة مريم بنت عمران وكلثوم أخت موسى وامرأة فرعون﴾. (۵)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے عائشہ! کیا تو نہیں جانتی کہ اللہ تعالی نے جنت میں مریم بنت عمران، موسی کی بہن کلثوم اور فرعون کی عورت کو میری بیوی بنا دیا ہے۔

یہ حدیث طبرانی نے معجم الکبیر میں اور ابن عساکر نے اپنی ''تاریخ دمشق'' میں روایت کی ہے جیسا کہ حوالہ گزرا، اور معترض نے اس روایت کو تاریخ ابو الشیخ (۲۸۸) کے حوالہ سے نقل کر کے اس کے راوی عبدالنور بن عبداللہ اور یونس بن شعیب کی وجہ سے اس کا ضعیف ہونا، امام عقیلی، امام بخاری، ابن عدی سے نقل کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ طبرانی اور ابن عساکر نے بھی اسی سند کے ساتھ اس کو روایت کیا

(۱) کشف الاحوال فی نقد الرجال: ۹۷ (۲) رسالہ محدث: ۱۹، ماہ محرم ۱۴۰۸ھ (۳) تاریخ دمشق لابن عساکر: ۷۰/۱۱۸ (۴) البدایہ والنہایہ: ۲/۶۲ (۵) معجم الکبیر للطبرانی: ۸/۲۵۸

ہے،عبدالنور کا ضعیف ہونا ہم نے اوپر تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔اس لیے یہ صحیح ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے،اسی طرح اس کا دوسرا راوی یونس بن شعیب بھی ضعیف ہے جیسا کہ عقیلی نے (الضعفاء:۴۵۹/۴) میں اور ابن حبان نے (المجروحین:۱۳۹/۳) میں ابن عدی نے (الکامل:۱۸۰/۷) میں اور ابن حجر نے (لسان المیزان:۳۳۲/۶) میں بیان کیا ہے۔

الغرض یہ روایت ضعیف ہے،لیکن مندرجہ بالا روایات کے ہوتے ہوئے اولاً تو اس کا ضعیف ہونا اصل مسئلہ کے لیے مضر نہیں،ثانیاً وہ روایات اس کے متن کے صحیح ہونے کی دلیل ہیں،اگرچہ سند صحیح نہ ہو،جیسا کہ اہل علم جانتے ہیں۔

الغرض رسول اللہ ﷺ کے حضرت مریم علیہا السلام اور فرعون کی عورت آسیہ اور حضرت موسی علیہ السلام کی بہن کلثوم سے نکاح کی بات متعدد روایات کے اجتماع سے ثابت شدہ مضمون سے ثابت ہے۔

تعدد روایات سے تقویت حدیث

کیونکہ اس سلسلہ میں متعدد روایات وارد ہوئی ہیں،جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے،اور یہ ایک دوسری کو ثبوت میں تقویت دیتی ہیں،اور محدثین کا قاعدہ ہے کہ جب ایک باب میں متعدد ضعیف روایات وارد ہوں تو سب مل کر درجہ حسن کو پہنچ جاتی ہیں، جبکہ ان ضعیف روایات کے راوی کذاب و وضاع نہ ہوں۔(۱)

امام العارفین والمحدثین عبدالوہاب شعرانی اپنی کتاب ''المیزان الکبری'' میں فرماتے ہیں: وقد احتجّ جمهور المحدثين بالحديث الضعيف إذا كثرت طرقه وألحقوه بالصحيح تارةً وبالحسن أخرى۔ (یعنی جمہور محدثین نے حدیث ضعیف سے حجت پکڑی ہے،جبکہ اس کے کئی طرق ہوں اور وہ ایسی حدیث کو

(۱) مقدمہ ابن الصلاح:۵۹/۱،تدریب الراوی:۱۷۷/۱،النکت علی ابن الصلاح للزرکشی:۳۹۰/۱

بھی صحیح کے ساتھ ملاتے ہیں اور کبھی حسن کے ساتھ)(۱)

اور علامہ سیوطی ''تدریب الراوی'' میں فرماتے ہیں:" ولا بدع في الاحتجاج بحديث له طريقان لو انفرد كل منهما لم يكن حجة الخ'' (یعنی ایسی حدیث سے حجت پکڑنے میں کوئی بدعت کی بات نہیں ہے، جس کے دوطریق ایسے ہوں کہ ان میں سے تنہا کوئی بھی حجت نہ ہو)(۲)

اس عبارت میں غور کر کے دیکھئے کہ کیا کہا جار ہا ہے، کہ ایسی حدیث جس کے صرف دوطرق ہوں اور وہ بھی ایسے کہ ان میں سے تنہا کوئی بھی قابل احتجاج نہ ہو، تو ایسی حدیث سے بھی احتجاج کرنا درست ہے۔

علامہ شوکانی اپنی کتاب ''السیل الجرار'' میں ابن القیم پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وكذالك الأحاديث التي كل حديث فيها ضعيف وكثرة طرقها يوجب لها القوة فتكون من قسم الحسن لغيره "(اسی طرح وہ احادیث کہ ان میں سے ہر ایک ضعیف ہے اور اس کے طرق کی کثرت اس کے لیے قوت کے موجب ہے، تو وہ حسن لغیرہ کی قسم سے ہوں گے)(۳)

اس سلسلہ میں ایک اور بزرگ کی تصریح نقل کر کے اس بحث کو ختم کرتا ہوں۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی ''مقدمہ مشکوٰۃ'' میں فرماتے ہیں:

وما اشتهرأن الحديث الضعيف معتبر فى فضائل الاعمال لا فى غيرها، المراد مفرداته لا مجموعها، لأنه داخل في الحسن لا فى الضعيف'' (اور یہ جو مشہور ہے کہ ضعیف حدیث صرف فضائل اعمال میں معتبر ہے، اس کے علاوہ (احکام وغیرہ) میں معتبر نہیں، اس سے مراد اس کے مفردات ہیں، نہ کہ ان سب کا مجموعہ؛ کیونکہ یہ (مجموعہ) حسن میں داخل ہے نہ کہ ضعیف میں)(۴)

(۱) المیز ان الکبری: ۶۳ (۲) تدریب الراوی: ۹۱/۱ (۳) السیل الجرار: ۹۰ (۴) مقدمہ مشکوۃ: ۶

الغرض یہ روایات اگر چہ ضعیف ہیں مگران سب کا مجموعہ حسن حدیث کے برابر ہوگا، جس سے احتجاج درست و جائز ہے۔

کثرت طرق اصل کی غمازی کرتی ہے

اوراگراس کوبھی تسلیم نہ کیا جائے تو میں کہتا ہوں کہ ان سب روایات کا مجموعہ کم سے کم اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے مذکورہ عورتوں سے جنت میں نکاح کی بات بے اصل نہیں؛ کیونکہ علماء اصول حدیث نے بیان کیا ہے کہ اگر حدیث کا ضعف کذب راوی کی وجہ سے ہوتو تعدد طرق کی وجہ سے وہ حدیث اگر چہ درجۂ حسن یا صحیح تک نہیں پہنچتی، لیکن اس سے اتنا تو ثابت ہوتا ہے کہ اس کی کوئی اصل ہے، بلکہ بعض وقت طرق کی کثرت اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ وہ اس سند کی طرح ہو جاتی ہے جس میں معمولی ضعف ہواوراگراس کے ساتھ یہ فرض کرلیا جائے کہ یہ حدیث ایک اور ایسی سند سے آئی ہے جس میں معمولی ضعف ہے تو وہ حسن لغیرہ کے درجہ کو پہنچ جائے گی

علامہ سیوطیؒ ''تدریب الراوی'' میں لکھتے ہیں:

"وأما الضعيف لفسق الراوي أو كذبه فلا يُؤثِّرفيه موافقة غيره له إذا كان الآخرمثله لقوة الضعف وتقاعد الجابر، نعم يرتقي بمجموع طرقه عن كونه منكراً أولا أصل له، صرح به شيخ الاسلام، بل قال: ربما كثرت الطرق حتى أوصلته إلى درجة المستور السيء الحفظ بحيث إذا وجد له طريق آخر فيه ضعف قريب محتمل ارتقى بمجموع ذلك إلى درجة الحسن"۔(۲)

(جوروایت راوی کے فسق یا کذب کی وجہ سے ضعیف ہو، اس میں دوسرے کا اس کی موافقت کرنا موثر نہیں، جبکہ دوسرا بھی (پہلے) ہی جیسا (فاسق یا کاذب) ہو؛ کیونکہ ضعف قوی اوراس کا جابر کمزور ہے، ہاں البتہ ان متعدد طرق کے مجموعہ سے

(۲) تدریب الراوی:۱/۱۷۷

وہ بے اصل اور منکر ہونے سے نکل جائے گی، شیخ الاسلام (یعنی حافظ ابن حجر) نے اسکی تصریح کی ہے، بلکہ انہوں نے کہا ہے کہ بعض اوقات طرق کی کثرت اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ اس کو مستور کمزور حافظہ والے کے درجہ کو پہنچا دیتی ہے، اس طرح کہ اگر اس کا ایک اور معمولی ضعف والا طریق پایا جائے تو یہ سب ملکر حسن کے درجہ کو پہنچ جائیں)۔(۱)

چنانچہ علامہ سخاوی ''فتح المغیث'' میں کہتے ہیں:

" ولكن بكثرة طرقه القاصرة عن درجة الاعتبار بحيث لا يجبر بعضها ببعض يرتقي عن رتبة المردود المنكر الذي لا يجوز العمل به بحال إلى رتبة الضعيف الذي يجوز العمل به في الفضائل، و ربما تكون تلك الطرق الواهية بمنزلة الطريق التي فيها ضعفٌ يسيرٌ بحيث لو فرض مجيء ذلك الحديث بإسناد فيه ضعفٌ يسيرٌ كان مرتقياً بها إلى رتبة الحسن لغيره"۔(۲)

اور علامہ طاہر الجزائری فرماتے ہیں کہ:

"وقال بعض الحفاظ:إن هذا النوع قد تكثر فيه الطرق وإن كانت قاصرةً عن درجة الاعتبار حتى يرتقي عن رتبة المنكر الذي لا يجوز العمل به بحال إلى رتبة الضعيف الذي يجوز العمل به في الفضائل و ربما صارت تلك الطرق الواهية بمنزلة الطريق التي فيها ضعفٌ يسيرٌ بحيث لو فرض مجيء ذلك الحديث بإسناد فيه ضعفٌ يسيرٌ صار مرتقياً من رتبة الضعيف إلى رتبة الحسن لغيره". (۳)

یہی بات علامہ شوکانی نے گردن کے مسح کی روایت کے بارے میں فرمائی ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ

" لم يثبت فى ذالك شيٌ يوصف بالصحة أوالحسن وقد ذكر ابن حجر في التلخيص أحاديث،وهى وإن لم تبلغ درجة الإحتجاج بها فقد

(۱) تدریب الراوي:۱/۱۷۸ (۲) فتح المغیث:۱/۲۷۳ (۳) توجیہ النظر:۱/۳۶۳

أفادت أن لذالك اصلاً. (اس (گردن کے مسح) کے بارے میں کوئی شئ ثابت نہیں ،جس کو صحیح یا حسن کہہ سکیں ،اور ابن حجر نے تلخیص الحبیر میں کئی حدیثیں ذکر کی ہیں،اور وہ اگر چہ حجت ہونے کے درجہ کو نہیں پہنچتیں ،مگر اس سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی اصل ہے)(۱)

نوٹ : گردن کا مسح کرنا وضو میں کیا درجہ رکھتا ہے، اس پر احقر نے اپنے رسالہ" عرف الزهر ة في إثبات مسح الرقبة" میں سیر حاصل بحث کردی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اول تو رسول اللہ ﷺ کا ان عورتوں سے نکاح ہونا ،بعض ضعیف احادیث کے مجموعہ سے جو کہ حسن کے برابر ہے، ثابت ہے،اور علی التنز ل ان کے مجموعہ کو حسن نہ مانیں تو ان روایات سے اتنا ضرور ثابت ہے کہ اس کی کچھ اصل ضرور ہے اور یہ بے اصل بات نہیں ہے۔

اب سوچ لیا جائے کہ معترض صاحب کا اس سے بالکل انکار کرنا اور یہ کہنا کہ'' رسول اللہ ﷺ کا حضرت مریم سے نکاح ہونے والا قصہ قطعی بے بنیاد، من گھڑت اور حد درجہ نا قابل اعتماد ہے''(ماہنامہ محدث، محرم : ۱۷) کہاں تک اپنے اندر واقعیت رکھتا ہے؟ کیا جس طرح غیر ثابت شدہ امر کو ثابت ماننا مذموم ہے، اسی طرح ثابت شدہ امر کا انکار ر مذموم نہیں؟ معلوم ہوا کہ معترض نے محض اٹکل سے اولاً ایک بات ذہن میں بٹھالی اور پھر اسی پر سارا مضمون لکھ مارا ہے۔

تعارض کا شبہ اور جواب

اس سے زیادہ حیرت وتعجب کی بات یہ ہے کہ معترض نے یہ دعوی کرتے ہوئے کہ'' جن باتوں سے کسی حدیث کے موضوع ہونے کا پتہ چلتا ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ صحیح شہادتوں سے اس کا بطلان واضح ہو جائے''(۲)

---

(۱)السیل الجرار:۹۰(۲)

جن روایتوں کو پیش کیا ہے، ان میں سے ایک سے بھی اوپر کی روایتوں کا بطلان ظاہر نہیں ہوتا، بلکہ اس کے برخلاف ان روایتوں کی تائید ہوتی ہے، مثلاً معترض نے طبرانی ہی کی یہ روایت پیش کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مریم بنت عمران کے بعد جنتی عورتوں کی سردار حضرت فاطمہؓ وخدیجہؓ پھر فرعون کی عورت آسیہ بنت مزاحم ہیں۔

مگر یہ روایت معترض کے دعوی کی تائید کرنے کے بجائے ہماری مؤید ہے، کیونکہ اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ جنتی عورتوں میں سب سے افضل تو حضرت مریم ہیں، پھر حضرت فاطمہ وخدیجہ، پھر حضرت آسیہ، اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ حضرت مریم اور حضرت آسیہ یا حضرت کلثوم کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ہوگا؟ اس کو ہر معمولی پڑھا لکھا بھی سمجھ سکتا ہے، بلکہ غور کیجئے تو یہ روایت پہلی روایتوں کے صحیح ہونے کا ایک معنوی قرینہ ہے کہ ان عورتوں کی اسی فضیلت کے پیش نظر ان کو افضل الخلائق صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں دیا جا رہا ہے، پھر جنت میں ان کو کسی نہ کسی کی زوجیت میں جانا ہی ہے تو ان کی فضیلت کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا نکاح ہونا کونسی مستبعد بات ہے؟ اور اس روایت سے اس کا بطلان کہاں سے ثابت ہو رہا ہے؟

معترض نے اس روایت کے بعد اسی معنی کی اور دو روایتیں پیش کی ہیں جن کا مفاد بھی وہی ہے، جو اس روایت کا ہے، لہٰذا یہ سب روایات پہلی روایتوں کے صحیح وثابت ہونے کا معنوی قرینہ ہیں، ہاں البتہ حضرت موسی کی بہن کا ان میں تذکرہ نہیں ہے، مگر اس سے صرف اتنا ثابت ہوا کہ وہ جنت کی عورتوں کی سردار نہیں، لیکن ان کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہونا گزشتہ روایات سے ثابت ہو چکا ہے۔ لہٰذا بے دلیل اس کا انکار چہ معنے دارد؟

غلطی کی نشاندہی کا شکریہ

یہاں تک اصل مسئلہ سے متعلق بحث تھی، معترض نے اصل مسئلہ کے بعد راقم الحروف کی بعض غلطیوں کی اصلاح کا بیڑا بھی اٹھایا ہے یہاں نہایت اختصار سے اس پر بھی کچھ عرض کرنا ہے۔

معترض نے لکھا ہے کہ ''مسئولہ عبارت میں حضرت مریم علیہ السلام لکھا گیا ہے، حالانکہ علیہا السلام ہونا چاہئے تھا، اسی طرح حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہ میں رضی اللہ عنہ کے بجائے رضی اللہ عنہا لکھنا چاہئے تھا''(۱)

راقم عرض کرتا ہے کہ سبقتِ قلم سے اس طرح ہو جانا بعید نہیں اور خاص طور پر اخبارات ورسائل میں اس کا دن رات مشاہدہ ہوتا ہی رہتا ہے، تاہم میں ہمارے محترم معترض جناب غازی عزیز کی خدمت میں غلطی کی نشاندہی کے شکریہ کے طور پر جناب کی اس سے بھی سخت عربی قواعد کی ایک غلطی کی نشاندہی کرتا ہوں۔

آپ نے تاریخ ابوالشیخ سے ایک روایت نقل کر کے اس پر علماء کا کلام نقل کیا ہے، پھر اس پر کتابوں کا حوالہ دیتے ہوئے حافظ ابن حجر کی ایک کتاب کا حوالہ اس طرح دیا ہے: "واللسان المیزان لابن حجر"(۲)

حالانکہ یہ لسان المیزان ہے جو ترکیب میں مضاف ومضاف الیہ ہے، اور نحو میر پڑھنے والا بھی جانتا ہے کہ مضاف پر الف لام داخل نہیں ہوتا، مگر ہم اس کو جناب کی عربی قواعد سے ناوقفیت قرار دینے کے بجائے سبقت قلم کا نتیجہ قرار دیتے ہیں کہ مسلمان اور عالم سے حسن ظن ہی رکھنا چاہئے۔

---

(۱) محدث: ۲۰ (۲) محدث: ۱۷

معترض کی ایک اور غلطی

مگر عجیب بات ہے کہ معترض کے کلام میں اس کے علاوہ بعض غلطیاں معنوی بھی ہیں اوران سے معلوم ہوتا ہے کہ معترض غالباً علم حدیث سے پوری طرح واقف نہیں ہیں، مثلاً ایک جگہ علامہ ہیثمی کا یہ کلام ان کی کتاب ''مجمع الزوائد'' سے نقل کرتے ہیں، جو معترض کے الفاظ میں یہ ہے:

''علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ الکبیر کے رجال صحیح ہیں، بجز محمد بن مروان الذہلی کے، لیکن ابن حبانؒ نے اس کی توثیق کی ہے۔(۱)

اس کے بعد معترض نے علامہ ہیثمی پر یہ کہہ کر اعتراض کیا ہے کہ:

محمد بن مروان الذہلی ابو جعفر الکوفی کے متعلق علامہ ہیثمی کو سہو ہوا ہے، ابن حبان نے ابن مروان کا ذکر اپنے ثقات میں کیا ہے۔ الخ (ص:۱۸) حالانکہ یہی معترض صاحب جو علامہ ہیثمی کو سہو کا شکار قرار دے رہے ہیں، ایک عربی کی معمولی عبارت سمجھنے میں غلطی کے مرتکب ہو رہے ہیں، جس کی خود ان کو خبر نہیں ہے۔

بات یہ ہے کہ علامہ ہیثمی نے اصل میں یہ فرمایا تھا:

" رجال الكبير رجال الصحيح إلامحمد بن مروان ،ووثّقه ابن حبان -(۲)

(معجم کبیر کے رجال صحیح کے رجال ہیں، سوائے محمد بن مروان کے، ابن حبان نے ان کی بھی توثیق کردی ہے)

یعنی یہ کہنا چاہتے ہیں کہ طبرانی کی معجم کبیر کے سب راوی ثقہ ہیں اور ان راویوں میں سوائے محمد بن مروان کے سب کے سب صحیح بخاری کے رجال ہیں اوران محمد بن مروان کی بھی ابن حبان نے توثیق کردی ہے، لہٰذا سب راوی ثقہ ہیں۔

(۱) محدث:۱۸ (۲) مجمع الزوائد:۲۰۱/۹

اب معترض کی کم فہمی یا کم علمی دیکھئے کہ اول تو "رجال الصحیح" کا ترجمہ کیا ''رجال صحیح'' ہیں، حالانکہ یہ ترجمہ ہی درست نہیں، مضاف مضاف الیہ کا ترجمہ ایسا کیا ہے، جیسے موصوف صفت کا کرتے ہیں، پھر صحیح کا مطلب ثقہ لے لیا، جبکہ اس سے مراد صحیح بخاری ہے اور علامہ کی عبارت کا یہ مطلب گھڑ لیا کہ علامہ ہیثمی ابن مروان کو ثقہ ہونے سے نکال رہے ہیں، حالانکہ وہ خود ابن حبان سے اس کی توثیق کر رہے ہیں اور محمد کو بخاری کے رجال سے مستثنیٰ قرار دے رہے ہیں۔

اس فہم پر معترض علامہ ہیثمی پر سہو کا بھی الزام لگائیں؟ تعجب کا مقام نہیں تو اور کیا ہے؟ اور اسی طرح کی غلطی اس کے بعد ص: (۱۹) پر بھی کی ہے، کہتے ہیں کہ علامہ ہیثمی فرماتے ہیں کہ ان سب کے رجال صحیح ہیں۔

حالانکہ ''رجال صحیح ہیں'' کے بجائے ''صحیح (بخاری) کے رجال ہیں'' کہنا چاہئے، پھر ص: (۱۵) پر " أشعرتِ" کا ترجمہ (میں تمہیں اس بات کی خبر دیتا ہوں) اور اسی صفحہ پر " أما عملتِ" کا ترجمہ (کیا تمہیں نہ بتاؤں) اور صفحہ (۱۶) پر " اما **تعلمین**" کا ترجمہ (کیا میں تمہیں نہ بتاؤں) معنوی غلطیوں کی مثالیں ہیں، بہر حال بتانا یہ ہے کہ یہ سب اغلاط ہیں، جن کی اصلاح کر لینا چاہئے۔

کیا یہ غلط ہے؟

معترض نے احقر کی ایک اور غلطی کی نشاندہی کی ہے، فرماتے ہیں:

''جواب میں ایک تاریخی غلطی یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کی بہن کا نام حکیمہ یا کلیمہ لکھا گیا ہے، حالانکہ جو احادیث اوپر بیان کی جا چکی ہیں، ان میں کلثوم مذکور ہے۔ (۱)

راقم کہتا ہے کہ حکیمہ یا کلیمہ جو لکھا گیا، وہ بھی اس حدیث میں آیا ہے، جس کو

(۱) ماہنامہ محدث: ۲۰

قرطبی نے معاذ بن جبل کی روایت سے نقل کیا ہے، تعجب ہے کہ جب معترض کے نزدیک یہ سب روایات جس میں کلثوم نام آیا ہے موضوع ہیں، تو اس سے یہ کیسے معلوم ہوا کہ کلثوم نام صحیح ہے، اور اس کے علاوہ دوسرا نام صحیح نہیں، ایسا لگتا ہے کہ اعتراض وتنقید کے شوق میں آگے پیچھے کی کچھ خبر نہیں رہتی، حالانکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کے نام متعدد ہیں، یا ایک علم ہے، دوسرا صفاتی نام ہے، اور پھر جب کہ علماء نے ان کا نام جو جزم کے ساتھ لکھا ہے وہ مریم ہے، چنانچہ علامہ آلوسیؒ ''روح المعانی'' میں لکھتے ہیں کہ ان کا نام مریم ہے، پھر لکھتے ہیں کہ ان کا نام کلثوم بھی لکھا گیا ہے۔ (۱)

اور علامہ سیوطی ''الاتقان فی علوم القرآن'' میں اسی طرح کہتے ہیں (۲) اور جامع صغیر شرح سراج منیر کے محشی علامہ شیخ محمد الحنفیؒ بھی لکھتے ہیں کہ ان کا نام مریم تھا، پھر کہتے ہیں کہ بعض روایات میں ان کا نام کلثوم بھی آیا ہے۔ (۳)

نیز سیوطی نے جلالین میں، بیضاوی نے اپنی تفسیر میں، بغوی نے معالم التنزیل میں، ابوالسعود نے ارشاد العقل السلیم میں، ابن الجوزی نے زاد المسیر میں، شوکانی نے فتح القدیر میں ان کا نام مریم بتایا ہے۔ (۴)

ان سب کو سامنے رکھئے اور دیکھئے کہ کیا سمجھ میں آتا ہے؟ ہماری تو عقل یہی کہتی ہے کہ ان کا نام مریم یا کلثوم ہے، یا دونوں ہیں، اور حکیمہ اور کلیمہ صفاتی نام ہیں، پھر اس کو بے دلیل تاریخی غلطی قرار دینا کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟ فقط

محمد شعیب اللہ خان

(۱) روح المعانی: ۱۹۰/۱۶ (۲) الاتقان فی علوم القرآن: ۱۴۷/۲ (۳) شرح سراج منیر: ۳۵۷/۱
(۴) جلالین: ۴۰۸/۱، بیضاوی: ۵۰/۱، معالم التنزیل: ۲۷۳/۱، ارشاد العقل السلیم: ۱۶/۶، زاد المسیر: ۲۸۴/۴، فتح القدیر: ۵۲۲/۳